OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

Al-Qamar, Volume 5, Issue 1 (January-March 2022)

اناجیلِ اربعہ پر ابن حزم کی تنقید کے شواہد

Evidences of Criticism on the Authenticity of four Gospels by Ibn-e-Hazm

Syed Adeel Shah
Doctoral Candidate, Department of Islamic Studies, Al-Hamd Islamic University, Islamabad, Pakistan
Samreen Akram
Doctoral Candidate, Department of Islamic Studies, Government College University, Faisalabad, Pakistan
Muhammad Majid Ali
Teacher, Government Primary School, Naseer Pur, Malakwal, Mandi Bahaudin

Abstract

Ibn-e-Hazm is one of the prominent scholars of Islam who gained fame among Muslims and non-Muslims for his scholarly work about religious studies. Ibn-e-Hazm's book "Kitab al-Fasl fi al-Milal wa al-Ahwa wa al-Nihal" is about comparative studies of religions. The book got popularity among Muslim and non-Muslim scholars and different critics are seen about his approach towards the understanding of world's religions. The author of the article "The Encyclopedia of Islam" has claimed that Ibn-e-Hazm's approach towards criticizing the historical authenticity of the Bible is not academic rather he wrote the chapter in his book with narrow-mindedness. This study deals with this allegation and the author has tried to find out the historical evidence presented by Christian scholars to prove that Ibn-e-Hazm's way of putting forward his

CC BY

opinion is academically perfect and each of his arguments is built upon solid and irrefutable references.

Key Words: Ibn-e-Hazm, Kitab al-Fasl, Christianity, Bible, Gospels, History

تمہید

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار نے امام ابن حزم رحمہ اللہ کی کتاب الفصل کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "امام ابن حزم (رحمہ اللہ) نے یہ ارادہ طے کر رکھا تھا کہ وہ اناجیل کو محرف اور غیر مستند ثابت کریں گے۔ یہی ارادہ کتاب الفصل کی تصنیف و تالیف کا محرکِ اول بنا[1]"۔ اس نے اپنے موقف کی بنیاد کتاب الفصل میں مسیحیت کے باب کے ابتدائی تعارفی نوٹ پر رکھی ہے جس میں امام ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: اما الانجیل وکتب النصاریٰ فنحن ان شاء اللہ تعالیٰ موردون من الکذب المنصوص فی اناجیلھم ومن التناقض الذی فیھا امرا لا یشک کل من راہ فی انھم لا عقول لھم وانھم مخذولون جملة[2] "انجیل و کتبِ نصاریٰ کا ہم ان شاءاللہ وہ کذب بیان کریں گے جو خود ان کی اناجیل میں منصوص ہے اور وہ تناقض و اختلاف بیان کریں گے جس میں ایسا امر ہو گا کہ جو اسے دیکھے گا اسے اس میں کوئی شک نہ ہو گا کہ ان (نصاریٰ) لوگوں کو عقل نہیں ہے اور یہ سن کے سب اللہ کی نصرت و مدد سے دور ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابن حزم رحمہ اللہ کے علمی منہج کو انسائیکلوپیڈیا کے مقالہ نگار نے ایک ایسا رنگ دے کر پیش کیا جس سے یہ تاثر پیدا ہو سکے کہ موصوف نے محض تعصب اور متشددانہ ذہنیت کی ترغیب کے ذریعے مطالعہ مسیحیت کی طرف قدم بڑھایا تھا۔ مقالہ نگار نے امام ابن حزم رحمہ اللہ کو ایسے لوگوں میں شامل کیا ہے جو اپنے عقائد اور افکار میں سخت متعصب واقع ہوئے ہیں اور اسی تعصب کی بنا پر ان کا کٹرپن ان کی تصانیف کو اپنی منشا کے نتائج اور من چاہی منازل کے ساتھ ہمکنار کرتا ہے۔ چنانچہ وہ نہ تو اپنے دین کے بارے میں کسی مثبت موقف کی نمائندگی کرنے میں کامیاب ہو پاتے ہیں اور نہ ہی دوسرے مذاہب پر اپنی تنقید کو علمی اور منطقی انداز میں پیش کر سکتے ہیں۔

اس مقالہ میں مذکورہ مقالہ نگار کے الزام کا محاکمہ کرتے ہوئے واضح کیا گیا ہے جائے گا کہ مطالعہِ اناجیل میں امام ابن حزم رحمہ اللہ کا اسلوب تعصب، تنگ ظرفی یا لاعلمی پر نہیں بلکہ خالصتاً عالمانہ اور مورخانہ بنیاد پر کھڑا ہے۔ انھوں نے تاریخی اسلوبِ نگارش کو اپناتے ہوئے انجیلِ اربعہ کو افرادی کاوشیں قرار دیا ہے جس کا اقرار اب مسیحی علماء نے بھی کیا ہے۔ جہاں مذہبی تنقید کا عنصر نمایاں ہے وہاں امام ابن حزم نے تحقیقی مواد بھی پیش کیا ہے۔

مسیح علیہ السلام کے بارے میں اولین تاریخی مصدر

اناجیلِ اربعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح عمریوں کی صورت میں ان کے حواریوں / شاگردوں کی تحریری مساعی ہیں۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ موجودہ اناجیل کو اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح عمریاں ہی قرار دیا جائے تو بھی ان کو مستند قرار دینے کے لیے مطلوب مواد کا سخت فقدان ہے۔ استنادی حیثیت سے متعلق مواد کا سخت فقدان ہے۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ کا یہ موقف قطعی ہے کیونکہ پہلی صدی عیسوی کے مشہور رومی یہودی مورخ فلاویس یوسیفس (Flavius

(Josephus) نے اپنی کتاب "Antiquities of the Jews" میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق صرف دو مرتبہ تذکرہ کیا ہے:

1۔ "عیسیٰ علیہ السلام مسیح اور ایک دانشور استاد تھے جن کو پیلاطیس نے مصلوب کر دیا تھا۔ (باب نمبر 18)[3]"۔ تقریباً تمام جدید محققین اس جملے کی استنادی حیثیت کو مسترد کر چکے ہیں اور ان کا موقف ہے کہ بعد کے ادوار میں سے کسی زمانے کے مسیحیوں نے فلاویس یوسیفس کی کتاب میں تحریف کرتے ہوئے یہ جملہ شامل کر دیا تھا۔ ان محققین میں پال ایل مائیر (Paul L Maier[4])، شریکن برگ (Schreckenberg[5])، جیمز ڈن (James Dunn[6])، کریگ اے ایوانز (Craig A Evans[7])، ہینری وینس برو (Henry Wansbrough[8])، جارج ایلبرٹ ویلز (George Albert Wells[9]) اور رابرٹ وین وورسٹ (Robert Van Voorst[10]) وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

2۔ "عیسیٰ علیہ السلام، جن کو مسیح کہا جاتا تھا، کے بھائی کا نام یعقوب تھا۔ (باب نمبر 20)[11]"۔ اس اقتباس کو جدید علما نے پہلے اقتباس سے زیادہ مستند اور ثابت شدہ تسلیم کیا ہے[12]۔

چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ امام ابن حزم رحمہ اللہ کا اناجیل اربعہ سے متعلق مستند مواد کے سخت فقدان کا دعویٰ مذہبی کٹرپن کا نہیں بلکہ ماہرانہ تاریخ دانی کا عکاس و غماز ہے[13]۔ ان کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اناجیلِ اربعہ دراصل چار سوانحی تصنیفات ہیں جو مختلف ادوار میں مختلف لوگوں نے لکھی ہیں[14]۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان میں سے ہر کتاب کا تعارف کرواتے ہوئے "التاریخ الفہ" یعنی "تاریخ جس کو۔۔۔۔۔ نے لکھا ہے" کا جملہ لکھتے ہیں۔ ان چاروں اناجیل کے مصادر کے مختلف ہونے کے بارے میں امام ابن حزم رحمہ اللہ متفرد نہیں ہیں بلکہ دیگر کئی محققین کے ہاں بھی یہی مزاج پایا جاتا ہے اور اناجیل کے مابین تضادات اس میں مہمیز لگاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

انسانی ہاتھوں سے اناجیل کی تصنیف

امام ابن حزم رحمہ اللہ کے مطابق اناجیلِ اربعہ محفوظ نہیں رہی ہیں بلکہ ان میں تحریف ہو چکی ہے۔ ان کے مصنفین کے بارے میں امام ابن حزم رحمہ اللہ کا پیش کردہ موقف مسیحی مکاتب فکر میں بھی موجود ہے[15]۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ کی مستعمل اصطلاحات مبہم ہیں۔ ان سے یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ آیا وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان کے عہد کے تمام مسیحی اناجیلِ اربعہ سے کی کتابت سے متعلق ان کے نظریے کے ساتھ متفق ہیں؟ امام ابن حزم رحمہ اللہ کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے عہد کے تمام مسیحی اناجیلِ اربعہ میں تضادات کی بنا پر ان کو انسانی تصانیف مانتے ہیں۔

مسیحیوں کے عقیدے کے مطابق روح القدس کی مدد کے ذریعے مصنفین نے اناجیلِ اربعہ کی تالیف و تصنیف کی ہے۔ اس ضمن میں عہد نامہ جدید کے دو فقرے قابلِ غور ہیں:

1. "ہر صحیفہ جو خدا کے الہام سے ہے"[16]۔
2. "نبوت کی کوئی بات انسان کی اپنی خواہش سے کبھی نہیں ہوئی بلکہ لوگ پاک روح کے الہام سے خدا کی طرف سے کلام کرتے تھے[17]"۔

اس کی مزید وضاحت سٹریٹر (Streeter) کے اس بیان سے ہوتی ہے: "اندریاس رسول (Andrew the Apostle) پر وحی نازل ہوئی کہ یوحنا کو تمام چیزیں اپنے نام کے ساتھ لکھنی تھیں اور وہ سب ان پر واضح کرنی تھیں۔ اسی لیے متعدد اناجیل کی

کئی کتب میں بہت سی باتیں سکھائی گئی ہیں تاہم یہ اہلِ ایمان میں عقائد کا کوئی اختلاف پیدا نہیں کرتی ہیں کیونکہ روح القدس کی رہنمائی میں ہی یہ سب چیزیں لکھی گئی ہیں[18]"۔

اناجیلِ اربعہ کے داخلی تضادات کی تاویل

خود Origen[19] اور Gregory[20] ایسے بڑے مسیحی علما کا اتفاق ہے کہ بائبل کے متن کی ایک سے زیادہ تعبیرات کی جاسکتی ہیں۔ان کا ماننا ہے کہ اس صورت میں بھی متن کی الہامی حیثیت پر کوئی آنچ نہیں آسکتی۔Isidore اور Rabanus Maurus کا خیال ہے کہ مسیحیوں کے عقائد کے مطابق متن چونکہ آفاقی ہے اس لیے کوئی بھی اس کی تعبیر میں دوسروں سے اختلاف کرسکتا ہے اور اس اختلاف کو تحریف نہیں قرار دیا جاسکتا ہے[21]۔

اس ضمن میں Ricoldo(1243-1320) نے حیرت انگیز طور پر بائبل کے داخلی تضادات کو ایک معمہ بناتے ہوئے کہا ہے کہ: "متن چونکہ مکمل طور پر روح القدس کی نگرانی میں لکھا گیا ہے اس لیے اس میں تضاد سرے سے موجود ہی نہیں ہے[22]"۔اس بات کو امام ابن حزم رحمہ اللہ نے بھی بیان کیا ہے کہ مسیحیوں کے نزدیک اناجیلِ اربعہ الہامی ہیں[23]۔وہ لکھتے ہیں کہ:"اناجیل کے بارے میں وہ سمجھتے ہیں کہ ان کو چار افراد نے لکھا ہے۔ان میں سے دو متی اور یوحنا تو حواری تھے جب کہ باقی دو لوقا اور مرقس حواری نہیں بلکہ پطرس کے شاگرد تھے۔وہ(مسیحی) سمجھتے ہیں کہ اناجیل ان تک مصنفین کے ذریعے صحیح سند کے ساتھ پہنچی ہیں۔ان کے مطابق اناجیل کے مصنفین پیغمبروں سے زیادہ معصوم اور شان و شوکت کے مالک ہیں[24]"۔

سوانحِ مسیح علیہ السلام کے لیے اناجیل کی تاریخی حیثیت

مسیحیوں کا تصورِ وحی اٹھارہویں صدی کے ابتدا تک مقبول رہا لیکن اس کے بعد لوگوں کے ذہنوں میں نزولِ انجیل اور کتابتِ صحائف سمیت سابقہ مقبول تصورات سے متعلق سوالات جنم لینے لگے۔مثلاً جرمن کے ایک مسیحی عالم لوسفر لیزنگ (Lospher Leasing) نے ایک کتاب لکھی جس کا نام ہی " A new hypothesis concerning the evangelists considered as purely human writers of History" تھا[25]۔اناجیلِ اربعہ کی خالصتاً انسانی تخلیق ہونے کے حوالے سے یہ کتاب امام ابن حزم رحمہ اللہ کے موقف کے ساتھ مکمل طور پر ہم آہنگ نظر آتی ہے۔اس سیاق میں یہ ملحوظ رہے کہ جدید انجیلی و تاریخی مطالعہ کی روشنی میں مصنفین اناجیل کو جدید پیرائے میں مورخ یا سوانح نگار نہیں کہا جاتا ہے کیونکہ انھوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے مکمل حالات پیش نہیں کیے ہیں۔Dibelius نے لکھا ہے کہ: "قدیم یا جدید سوانح نگاروں کے ساتھ ان کا تقابل نہیں کیا جاتا ہے[26]"۔

اسی طرح Martin Kahler اپنی کتاب " The So called historical Jesus and the historic biblical Christ" میں لکھتا ہے کہ:"حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح کے لیے ہمارے پاس (علم کا) ایسا کوئی ذریعہ نہیں ہے جس کو مورخین قابلِ اعتماد اور مستند تسلیم کرتے ہوں۔میں دوہراتا ہوں: ہمارے پاس یسوع ناصری کی سوانح عمری کے لیے کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے جو معاصر تاریخی علوم کے معیار پر پورا اترتا ہو[27]"۔اناجیل تاریخی کتب نہیں ہیں بلکہ انہیں تبلیغی مقاصد کے لیے لکھا گیا تھا۔Paul Athlus کے مطابق:"جس اسلوب میں تاریخ دان سمجھتے ہیں اس کے حوالے سے اناجیل کم درجے کے تاریخی مصادر کی مانند بھی نہیں ہیں۔مصنفینِ اناجیل مبلغین تھے[28] (تاریخ دان نہیں رہتے)۔

S.J.Xavier Leon Dufour نے واضح کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندگی سے متعلق تمام معلومات اناجیل اربعہ سے حاصل ہوتی ہیں لیکن یہ چاروں اناجیل مل کر بھی آپ علیہ السلام کی مکمل زندگی کا احاطہ نہیں کر رہی ہیں اور اگر ان کا عمیق مطالعہ کیا جائے تو یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں متناقض اور متضاد معلومات مہیا کرتی ہیں[29]۔ مصنفینِ اناجیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن اور ابتدائی زندگی پر قطعاً توجہ نہیں دی ہے اس لیے اب مورخین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تاریخ پیدائش پر بھی متفق نہیں ہو سکتے ہیں۔ متی کی انجیل کے دوسرے باب کا تاریخی مطالعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو4برس قبل از مسیح جب کہ لوقات کی انجیل کا دوسرا باب6ء قرار دیتا ہے۔ پورے9برس کا ناقابلِ تطبیق فرق ہے۔ زیادہ تر مسیحی متی کے بیان کردہ سالِ پیدائش کو تسلیم کرتے ہیں کیونکہ لوقا کا بتایا گیا عہد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بوقتِ بعثت(28برس) بہت کم سن ظاہر کرتا ہے[30]۔

مذکورہ حقائق کے پیش نظر انسائیکلوپیڈیا بریٹینکا کے مقالہ نگار نے تسلیم کر لیا ہے کہ:

> Any attempt to write a "Life of Jesus" should be frankly abandoned. The material for it certainly does not exist. It has been calculated that the total number of days in His life regarding which we have any record does not exceed[31]

صاف اور درست بات یہ ہے کہ حیات مسیح پر لکھنے کی کوشش ترک کر دی جائے۔ اس لیے لیے یقیناً مواد موجود نہیں ہے۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ ان کی زندگی کے ان دنوں کی تعداد50 سے زیادہ نہیں، جن کے متعلق ہمارے پاس کچھ ریکارڈ موجود ہے۔ Dean Inge کا بھی یہی موقف ہے کہ: "عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقی سوانح کبھی بھی نہیں لکھی جا سکتی ہے[32]"۔

اناجیل اربعہ کے ادوارِ تدوین

اناجیل کی استنادی حیثیت کے حوالے سے امام ابن حزم رحمہ اللہ کے موقف کی طرف لوٹیں تو معلوم ہوتا ہے کہ انہیں مختلف ادوار میں ضبط تحریر میں لایا گیا تھا۔ ملحوظ رہے کہ اس ضمن میں امام ابن حزم رحمہ اللہ متاخر معروف علمائے الٰہیات سے بھی زیادہ صحیح ثابت ہوئے ہیں۔ شہرستانی(1153ء) نے بھی مصنفین اناجیل اربعہ پر روشنی ڈالی ہے۔ متی، لوقا، مرقس اور یوحنا کو ایک ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کے نزدیک مذکورہ چاروں لوگوں کی مشترکہ کاوش "انجیل" کہلاتی ہے[33]۔ شہرستانی نے چاروں مصنفین اناجیل کو رسول / حواری قرار دے کر ایک اور غلطی کی ہے[34] حالانکہ یہ بالکل درست نہیں ہے۔ Chrysostom نے لکھا ہے کہ: "حواریوں میں سے محض دو نے اناجیل لکھیں اور باقی دو ان (حواریوں) کے شاگرد تھے۔ ان میں سے ایک پولس کا جب کہ دوسرا پطرس کا شاگرد تھا۔ باقی دو متی اور یوحنا تھے[35]۔ بعینہ امام ابن حزم رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ مرقس اور لوقا کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کبھی بھی حواری قرار نہیں دیا تھا[36]۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ کے علمی تفوق کو مزید واضح کرنے کے لیے ان کا موازنہ دیگر علما کے ساتھ بھی کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً المسعودی(957ء) نے بھی شہرستانی کی طرح مصنفینِ اناجیل کو حواری قرار دیا ہے اور انھوں نے پطرس اور پولس کو بھی ان میں شامل کرتے ہوئے چھ لوگوں کا تذکرہ کیا ہے[37]۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے اگر المسعودی کے عہد میں موجود پطرس سے منسوب اپوکریفائی انجیل[38] کو بھی اناجیل اربعہ کے ساتھ شامل کرکے، پولس کے خطوط کو بھی ایک انجیل مان کر اناجیل ستہ کا فلسفہ اپنایا جا سکے۔

عہد نامہ جدید کی کتب کی ترتیب میں امام ابن حزم رحمہ اللہ کا منہج

امام ابن حزم رحمہ اللہ مسیحیت سے متعلق اپنی تحریریوں میں "عہد نامہ جدید" کی اصطلاح استعمال نہیں کرتے ہیں حالانکہ یہ اصطلاح علی بن ربن الطبری[39] (775ء)، ابن الندیم[40] (987ء) ایسے متقدم علماء کے ہاں مستعمل ہے۔ چنانچہ عہد نامہ جدید کے مضامین کو امام ابن حزم رحمہ اللہ نے یوں مرتب کیا ہے: متی کی انجیل، مرقس کی انجیل، لوقا کی انجیل، یوحنا کی انجیل، رسولوں کے اعمال، یوحنا عارف کا مکاشفہ، یوحنا کے تین خطوط، پطرس کے دو خطوط، یعقوب کا خط، یہوداہ کا خط، پولس کے پندرہ خطوط۔ دوسری طرف حالیہ عہد نامہ جدید میں کتب اور مضامین کی ترتیب یوں ہے: متی کی انجیل، مرقس کی انجیل، لوقا کی انجیل، یوحنا کی انجیل، رسولوں کے اعمال، پولس کے خطوط، یعقوب کا خط، پطرس کے خطوط، یوحنا کے خطوط، یہودا کا خط، یوحنا کا مکاشفہ۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ کی ترتیب میں دلچسپ نقطہ یہ ہے کہ اس میں پولس کے خطوط کا درجہ کم کرتے ہوئے انھیں آخر میں رکھا گیا ہے۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ نے اپنے عہد کے عہد نامہ جدید کے بارے میں لکھا ہے کہ اس میں متی کی انجیل کا متن 28 اوراق، مرقس کی انجیل کا متن 24 اوراق، لوقا اور یوحنا کی انجیل کا متن 24 اوراق پر لکھا گیا ہے اور متن کے الفاظ کا سائز درمیانے درجے کا ہے۔ رسولوں کے اعمال کا متن 50 اوراق پر انتہائی تنگ فاصلے کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ یوحنا کا مکاشفہ ساتھ حواریوں کے مذہبی خطوط ایک ایک یا دو دو اوراق پر لکھے گئے ہیں اور ان کی حالت انتہائی خستہ ہے۔ پولس کے خطوط تقریبا 40 اوراق پر لکھے گئے ہیں جو (امام ابن حزم رحمہ اللہ کے مطابق) "گستاخی سے معمور" ہیں[41]۔

اوپر دی گی ترتیب کا موازنہ معاصر عہد نامہ جدید کے ساتھ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ امام ابن حزم رحمہ اللہ کی ترتیب حالیہ عہد نامہ جدید کے ساتھ میل کھاتی ہے۔ مضامین وہی ہیں البتہ اناجیلِ اربعہ کے بعد خطوط اور مکاشفہ کے حوالے سے ترتیب میں فرق ہے۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ کی دی گئی ترتیب اور معاصر عہد نامہ جدید میں دی گئی ترتیب کے مابین مطابقت پیدا کرنے کے دو طریقے ہیں:

1. ممکن ہے کہ امام ابن حزم رحمہ اللہ نے اپنے عہد میں موجود عہد نامہ جدید کے کسی نسخے میں دی گئی ترتیب کی پیروی کی ہو جو بمطابق متی، مرقس، لوقا، یوحنا، اعمال، رسولوں کے خطوط، پولس کے چودہ خطوط، یوحنا کا مکاشفہ ہو[42]۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ کی ترتیب میں یوحنا کی جگہ یعقوب کا خط، یعقوب کی جگہ یوحنا کا خط، پولس کے چودہ خطوط کی جگہ پندرہ خطوط اور اعمال کے فورا بعد یوحنا کا مکاشفہ ملتا ہے۔
2. پولس کے خطوط کی تعداد کے حوالے سے امام ابن حزم رحمہ اللہ نے عبرانیوں کے نام لکھے گئے خط کو بھی شامل کیا ہے جس کے بارے میں روایت ہے کہ یہ پولس کا ہی لکھا ہوا ہے حالانکہ اس میں مصنف کا نام نہیں ہے۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ کے اعداد و شمار کے مطابق پندرہواں خط کرنتھیوں کے نام ہے جس کا حوالہ خود پولس نے بھی دیا ہے اور وہ اپوکریفائی عہد نامہ جدید میں موجود ہے[43]۔

چنانچہ B.A Rattey کا خیال درست معلوم ہوتا ہے کہ: "ابتدائی کلیسا کے پاس متعدد دستاویزات تھیں جن میں خطوط بھی شامل تھے۔ وہ خطوط جو اب موجود نہیں ہیں، انھیں دیگر خطوط کی مانند پہلے نہیں جانچا گیا تھا۔ مثلا برناباس کی انجیل کو پہلے ادوار میں خطوط کا درجہ دیا گیا تھا[44]"۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ نے ایسے کسی متن کا حوالہ نہیں دیا ہے جو عہد نامہ جدید کے حالیہ متفقہ دستاویزات سے خارج ہو۔ کرنتھیوں کے نام تین خطوط کا حوالہ اس لیے ملتا ہے کہ امام ابن حزم رحمہ اللہ ہسپانیہ میں تھے اور وہاں کے مسیحی کیتھولک تھے۔ اس لیے لامحالہ ان کی دسترس میں اتھناسیسی عہد نامہ جدید تھا جو مغربی مسیحیوں کے ہاں وسیع پیمانے پر استعمال ہوتا تھا۔

اناجیل اربعہ کے مصادر

انھوں نے وجاحت کی ہے کہ اناجیل اربعہ کے مصنفین نے پانچ لوگوں سے مواد حاصل کیا ہے اور وہ اس بات پر سخت گیر تبصرہ کرتے ہوئے معترض ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں میں سے صرف چار لوگوں نے ہی ان کی سوانح کو لکھنے کی ذمہ داریوں کیوں لی؟ اس اعتراض کو پیش کرنے میں امام ابن حزم رحمہ اللہ منفرد نہیں ہیں بلکہ مسیحی علما کے ہاں بھی اس کے حوالے سے آوازیں اٹھائی گئی ہیں۔ چنانچہ Chrysostom لکھتا ہے کہ: "حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعدد حواری تھے، پھر ان میں سے صرف دو حواریوں نے ہی ان یہ کام کیوں کیا؟[45]"۔ چوتھی صدی عیسوی میں عہد نامہ جدید کے تمام اجزاء کو "مستند" مان لیا گیا تھا اسی لیے امام ابن حزم رحمہ اللہ بھی ان کے لیے یہی کلمہ استعمال کرتے ہیں۔ ابن حزم کے ترتیب دیے گئے متن کی وضاحت تاریخی اندراج کی اصطلاح میں نہیں کی جاسکتی ہے کیونکہ تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ پولس کے خطوط اناجیل اربعہ کے بعد شامل کیے گئے تھے اور اس کے بعد "رسولوں کے اعمال" کے ساتھ خطوط کو جگہ ملی تھی۔ رسولوں کے ساتھ خطوط کے بارے میں امام ابن حزم رحمہ اللہ کا استعمال کیا گیا لفظ "مستند" وضاحت طلب ہے اور یہ وضاحت دو طریقوں سے کی جاسکتی ہے:

1. امام ابن حزم رحمہ اللہ نے اپنی تحریروں میں کہیں بھی لفظ کیتھولک استعمال نہیں کیا ہے۔ یہاں تک کہ ہسپانیہ میں ارینیائی فرقے کی جگہ کیتھولک فرقے کی بنیاد رکھنے والے شخص ریکارڈ[46] (601ء) کے تذکرے میں بھی انھوں نے یہ کلمہ استعمال نہیں کیا ہے۔ ممکن ہے کہ ان کے نزدیک مستند سے مراد کیتھولک فرقے کا عہد نامہ جدید ہو[47]۔ کیتھولک لفظ سب سے پہلے المہدی نے Timothy کے ساتھ مناظرے کے دوران کیا[48]۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ عہد نامہ جدید کے تمام حصوں کی استنادی حیثیت سے کلی طور پر آگاہ ہیں اسی لیے وہ مستند کتابوں اور دیگر مسیحی دستاویزات کے مابین امتیاز کرتے ہیں۔ اس لیے ان کا حواریوں کے سات خطوط کو مستند قرار دینا اس بات کا غماز نہیں ہے کہ وہ ان اصطلاحات سے بے خبر تھے[49]۔
2. یقیناً یہ ماننے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ عہد نامہ جدید کے متن کی جو ترتیب امام ابن حزم رحمہ اللہ نے پیش کی ہے وہ آفاقی نہیں بلکہ ذاتی ہے۔ کاتبین کی غلطی کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے لیکن یہ مانے بغیر چارہ نہیں ہے کہ امام ابن حزم رحمہ اللہ کی ترتیب منطقی انداز میں مواد کو منظم کر کے پیش کرتی ہے اور ان کے مصنفین کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ قربت کے معیار کے عین مطابق ہے۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ کا مستعمل متن

انجیل کے متن کو نقل کرنے میں مسلمان علماء کے مابین اختلاف موجود ہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا مقالہ نگار عہد نامہ جدید کے متن میں چھ قسم کے اختلافات بیان کرتا ہے[50]۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ کا پیش کیا گیا متن موجودہ متن سے دو حوالوں سے مختلف ہے:

1. امام ابن حزم رحمہ اللہ کے ہاں عہد نامہ جدید کے متن میں الفاظ کا اختلاف ہے مثلاً: "خدا کے میمنے" عربی متن میں "حمل اللہ" کا ترجمہ ہیں لیکن امام ابن حزم رحمہ اللہ نے ان کو "خاروف" لکھا ہے۔
2. ابن حزم اپنے اقتباسات کو جملوں یا فقروں میں تقسیم نہیں کرتے ہیں۔ نہ ہی عبارتوں کو ابواب میں تقسیم کرتے ہیں بلکہ بغیر نمبروں کے فقروں کو مسلسل بیان کرتے ہیں۔ دستیاب معلومات کی مدد سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ کتاب الفصل میں کون سے نسخے سے متن نقل کیا گیا ہے۔

مسیحیوں میں عہد نامہ انجیل کے مقبول متن کے علاوہ، امام ابن حزم رحمہ اللہ نے ایک دوسرا حصہ بھی ذکر کیا ہے۔ اس حصے میں وہ دستاویزات ہیں جو مختلف علماء نے لکھی ہیں۔ چھ ایکیومینیائی کونسلوں کے تخلیق کردہ مصاحف اور چھوٹے بڑے مذہبی رہنماؤں کے تیار کردہ کتابچے اس میں شامل ہیں[51]۔ ان کا درجہ کتاب مقدس کے برابر تو نہیں ہے البتہ ان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا گیا ہے۔ ابن خلدون نے ان کتابوں کا الگ الگ تفصیل کے ساتھ تذکرہ کیا ہے[52]۔ اسی طرح یعقوبی نے ریکارڈ کی جانب سے پیش کی گئی مذہبی رسموں کے حوالے سے بھی ان کتابوں کا ذکر کیا ہے (امام ابن حزم رحمہ اللہ نے غلطی سے اس شخص کا نام زکریا لکھ دیا ہے[53]۔)

امام ابن حزم رحمہ اللہ اناجیل کے متن اور ان کی تاریخ کے بارے میں تشویش کا اظہار کرتے ہوئے مواد کی مذہبی حیثیت سے متعلق طویل بحث پیش کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ متی نے اپنی انجیل کو عبرانی زبان میں یہوداہ میں تالیف کیا تھا۔ روایات بھی ان کے اس موقف کی تائید کرتی ہیں۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ کے اس نقطہ نظر کو ثابت کرنے کے لیے قابلِ اعتبار وسائل موجود ہیں۔

انجیل کی زبان، تاریخی شواہد کی روشنی میں

متی کے اصلی نسخے کے عبرانی یا آرامی ہونے کا سب سے پہلا ثبوت پاپیاس (Papias) کی تحریر سے حاصل ہوتا ہے جس کے مطابق متی نے اپنی انجیل عبرانی زبان میں لکھی اور ہر کس و ناکس نے اپنی بساط کے مطابق اس کی تاویلات پیش کی۔

اِرینیئوس (Irenaeus) اپنی کتاب Against Heresies میں لکھتا ہے کہ: "متی نے بھی اناجیل میں سے ایک کتاب عبرانی زبان میں پیش کی۔ اس وقت پطرس اور پولس روم میں انجیل کے مبلغ تھے اور کلیسا کی بنیاد رکھ رہے تھے[54]"۔

Eusebius اپنی تاریخ (5:25:4) میں اناجیل کے مصادر کے بارے میں لکھتا ہے کہ: "پہلی انجیل متی نے لکھی جو کسی دور میں ٹیکس جمع کرتا تھا اور بعد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حواری بن گیا۔ اس نے اپنی انجیل یہودیت سے مسیحیت میں آنے والے لوگوں کے لیے لکھی اور اس کو عبرانی زبان میں پیش کیا"۔

Augustine نے اپنی کتاب "Agreement of the evangelists" (1:2:4) میں لکھا ہے کہ: "ان چاروں میں یہ تو واضح ہے کہ صرف متی کے بارے میں یہ بات مانی جاتی ہے کہ اس نے انجیل کو عبرانی زبان میں لکھا تھا جب کہ باقی تینوں نے یونانی زبان میں اپنی اپنی انجیل لکھی تھی"۔

مذکورہ اقتباس اور اس جیسے دیگر افکار کے بارے میں Barcley لکھتا ہے کہ: "جیسے ہم بتا چکے ہیں اور اب ہم دیکھ چکے ہیں کہ ابتدائی کلیسا کی روایت بالکل صاف، مسلسل اور غیر مبہم ہے۔ یہ مانا جاچکا ہے کہ متی نے سب سے پہلے انجیل لکھی تھی اور یہ پہلی انجیل عبرانی زبان میں لکھی گئی تھی[55]"۔

اسی طرح متی کی انجیل کی زبان کے بارے پاپیاس(Papias)کا بیان بھی ملحوظ رہے کہ:"متی نے کلام کو بطور کاتب آرامی زبان میں یا عبرانی لہجے میں لکھا تھا۔ بعد میں ہر کسی نے اپنی ذہنی بساط کے مطابق اس کا ترجمہ یا تفسیر لکھی[56]"۔

پاپیاس(Papias)کا بیان ظاہر کرتا ہے کہ متی کی انجیل کے کئی نسخے تھے اور وہ مختلف زبانوں میں ترجمہ شدہ تھے۔ ان میں سے کلیسا نے کون سا نسخہ منتخب کیا، اس کے بارے میں معلومات دستیاب نہیں ہیں۔ تاہم بعض جدید مسیحی علما کا خیال ہے کہ پاپیاس (Papias) نے متی کے جن تراجم کا ذکر کیا ہے وہ متی کی انجیل کے تراجم نہیں تھے بلکہ متی نے عہد نامہ قدیم کے کچھ اوراق اپنے پاس محفوظ کر لیے تھے اور انہی اوراق کے تراجم کا پاپیاس(Papias) نے تذکرہ کیا ہے۔ لیکن ان مسیحی علما کے اس قول کی تائید میں تاحال ایسا کوئی ثبوت پیش نہیں کیا جاسکا جس سے معلوم ہوتا ہو کہ متی نے عہدِ نامہ عتیق کے اقتباسات اپنے پاس جمع کر رکھے تھے۔ تاہم Eusebius سمیت تمام قدیم مسیحی مصنفین جنہوں نے پاپیاس(Papias) کو پڑھا ہے ان کا یہی خیال ہے کہ پاپیاس(Papias) کے بیان کا تعلق انجیلِ متی کے ساتھ ہے[57]۔

پاپیاس(Papias) کا بیان اس ضمن میں بھی انجیل کے ساتھ ہی متعلق ہے کہ تمام متقدم مسیحی علما کا موقف ہے کہ متی نے یہودیت سے مسیحیت میں آنے والے نئے اہلَ ایمان کے لیے انجیل لکھی تھی۔ یہ موقف Ieenaeus, Clement اور Eusebius کے ہاں زیادہ مقبول ہے[58]۔ یہ سب لوگ متی کی انجیل کو آرازمی زبان میں ہی مانتے ہیں۔ پادری جی ٹی مینلی کے مطابق:"جو کچھ اس امر پر متی نے لکھا، اس نے عبرانی میں لکھا۔ جس سے غالباً آرامی زبان مراد ہے کیونکہ اس سے عام طور پر عہدِ جدید میں یہی مراد لی جاتی ہے[59]"۔

مرقس کی انجیل کے منصہ شہود پر آنے کے دو سو سال بعد بائبلی تنقید کے اصول قائم کئے گئے جن کی روشنی میں منعقد ہونے والے مباحثوں کے بعد یہ طے ہوا کہ متی کی حالیہ انجیل آرامی یا عبرانی نہیں بلکہ یونانی ہے۔ اب یہ یونانی میں ہی تحریر شدہ مانی جاتی ہے اور اس کا اولین مسلم نسخہ یونانی زبان میں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ واضح طور پر اس میں 600 آیات مرقس کی انجیل سے منقول ہیں اور مرقس کی انجیل یونانی زبان میں ہے۔

چنانچہ متی کی انجیل کی زبان کے بارے میں امام ابن حزم رحمہ اللہ کا موقف متقدم مسیحی علما کی تحریروں کے موافق ہے۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ نے اس کے ترجمے کے مسئلہ پر بھی گفتگو کی ہے جس کا پاپیاس(Papias) نے بھی تذکرہ کیا ہے۔ جیروم(342-420) کے مطابق یہ تو طے ہے کہ یہوداہ میں متی نے عبرانی زبان میں انجیل لکھی تھی لیکن اس عبرانی نسخے کا یونانی زبان میں کس نے ترجمہ کیا؟ اس کے متعلق یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا ہے[60]۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ نے اس پر زیادہ پختگی کے ساتھ بات کرتے ہوئے لکھا ہے کہ سب سے پہلے یوحنا حواری نے اس کا یونانی زبان میں ترجمہ کیا تھا[61]۔ لیکن امام ابن حزم رحمہ اللہ نے اس ترجمے کے کام کے لیے کسی تاریخ یا دور کا تعین نہیں کیا ہے۔ یوحنا کے ترجمے کے موقف کی تائید مسیحی مورخ سعید بن بطریق نے بھی کی ہے اور اس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ترجمہ بادشاہ Claudius کے دور میں ہوا تھا اور یوحنا اس کا مترجم تھا[62]۔

ایلفریڈ پلمر(Alfred Plummer) نے مزید باریکی میں جاکر یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ ترجمہ یوحنا کے علاوہ یعقوب اور برتلمائی(Bartholomew) میں سے کسی نے کیا ہو[63]۔ چنانچہ کہا جاسکتا ہے پاپیاس(Papias) کے محولہ تراجم میں سے یوحنا کسی ترجمے کا ذمہ دار ضرور تھا کیونکہ اس کو متی کے ذریعے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کچھ فرامین ضرور ملے تھے۔

متی کی انجیل کے بارے امام ابن حزم رحمہ اللہ کے بیانات عہد نامہ جدید کے موجودہ عربی نسخے کے ساتھ موافقت رکھتے ہیں۔اسی طرح اناجیلِ ثلاثہ کے بارے میں بھی امام ابن حزم رحمہ اللہ کا پیش کردہ مواد ان کے حالیہ مسودات کے عین مطابق ہے۔

متی کی انجیل کی تاریخی حیثیت

امام ابن حزم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حواری متی حکومت کی طرف سے ٹیکس اکٹھا کرنے پر مامور تھا۔اس کو سر بریدہ کرتے ہوئے مخالفین نے شہید کر دیا تھا[64] لیکن اس کی شہادت کے وقت اور مقام کے بارے میں معلومات پیش نہیں کی گئی ہیں کیونکہ اس ضمن میں دیگر ذرائع سے بھی قابلِ اعتماد معلومات میسر نہیں ہو سکی ہیں۔امام ابن حزم رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ عہد نامہ جدید کے حوالے سے متی کی انجیل اہمیت اور زمانی ترتیب میں دیگر اناجیل سے پہلے ہے۔وہ بتاتے ہیں کہ متی کی انجیل شام کے شہر یہوداہ میں عیسیٰ علیہ السلام کے رفعِ سماوی کے نو برس بعد عبرانی زبان میں لکھی گئی تھی۔چوتھی انجیل کے مصنف یوحنا نے اس کو عبرانی زبان سے یونانی زبان میں منتقل کیا۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ نے ترجمہ کے اس عمل کی کوئی تاریخ ذکر نہیں کی ہے اور نہ ہی یہ بتایا ہے کہ یہ سرگرمی کس مقام پر ہوئی تھی[65]۔اسی طرح یوسیبیس (246ء) کی ایک روایت کے مطابق متی نے یہ انجیل فلسطین سے دوسرے علاقوں کی طرف نکلنے سے قبل لکھی تھی۔یہ انجیل کی تصنیف کا پہلا عہد شمار کیا جا سکتا ہے[66]۔اس کے برعکس مسیحی علما کے مطابق متی کی انجیل کے عہدِ تصنیف کے بارے میں یقین سے کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا ہے۔پروفیسر سی سی ٹوری کے حوالے سے جی ٹی مینلی کا بیان ہے کہ:" تمام اناجیل کو 50ء سے قبل لکھا جا چکا تھا[67]"۔زیادہ تر مسیحی علما کا گمان ہے کہ متی کی انجیل 80ء اور 90ء کے درمیان لکھی گئی تھی۔ بعض نے 70ء اور 110ء کا درمیانی دور بھی لکھا ہے لیکن 70ء پر یقین رکھنے والوں کی تعداد کم ہے[68]۔

اگر متی کی انجیل کی تحریر سے متعلق دوسرے موقف کو تسلیم کر لیا جائے تو علمی اعتبار سے تاریخی منہج کے حاملین کے دقت پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ 70ء میں متی زندہ ہی نہیں تھا۔یہی وجہ ہے کہ جدید مسیحی علما نے سرے سے انجیل متی کو متی کے ساتھ منسوب کرنے سے ہی انکار کر دیا ہے[69]۔اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ متی کی حالیہ انجیل یونانی زبان میں لکھی گئی تھی اور اس کے تقریباً 600 فقرے مرقس کی انجیل سے منقول ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کا مصنف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح کا عینی شاہد نہیں تھا۔متی کی انجیل میں متی کو بطور مصنف پیش بھی نہیں کیا گیا ہے۔مصنف کا نام متن میں کسی بھی جگہ نہیں ہے بلکہ غالب گمان یہی ہے کہ دوسری صدی میں کسی نے اس کو متی کے ساتھ منسوب کر دیا تھا۔جن فقروں میں کا ذکر ہے،ان میں متی کو ٹیکس جمع کرنے والا سرکاری ملازم ظاہر کیا گیا ہے اور وہ کوئی باقاعدہ مصنف نہیں تھا۔

مرقس کی انجیل کی تاریخی حیثیت

امام ابن حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:" حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفعِ سماوی کے 22 برس بعد شمعون بن توما کے شاگرد مرقس الہارونی نے انطاکیہ میں انجیل لکھی۔یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ انجیل اصل میں شمعون نے ہی لکھی تھی لیکن اس نے شروع سے اپنا نام مٹا کر اپنے شاگرد مرقس کا نام لکھ دیا تھا۔شمعون حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شاگرد تھا[70]۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ نے عہد نامہ جدید کی ترتیب میں مرقس کی انجیل کو متی کی انجیل کے بعد رکھا ہے جو اُن کے اپنے تبصرے کے مطابق زمانی ترتیب کے عین

موافق ہے۔ یہ متی کے 13 برس بعد لکھی گئی تھی۔ جدید علما کے ہاں متی کی ترجیح سے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے لیکن ایک طبقہ ایسا موجود ہے جو ابھی بھی متی کی انجیل کو ترتیب میں پہلے نمبر پر رکھنے پر مصر ہے[71]۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ نے مرقس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری کے طور پر بیان نہیں کیا ہے۔ ان کے مطابق مرقس حضرت عیسیٰ کے حواری پطرس کا شاگرد تھا۔ مرقس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کبھی ملاقات نہیں کی تھی۔ پیپاس کے مطابق مرقس، پطرس کا شارح بن گیا اور اس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرامین یا اعمال میں سے جو کچھ یاد رہا اس نے وہ سب دیانت داری کے ساتھ مرتب انداز میں لکھا۔ چونکہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کبھی نہیں سنا تھا، نہ ان کی شاگردی اختیار کی تھی، لیکن بعد میں، جیسے میں (ابن حزم) نے کہا، پطرس کی شاگردی اختیار کی جو اس کو تعلیم دیتا تھا لیکن اس نے یہ باتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی منظم تعلیمات کے طور پر نہیں سکھائی تھیں۔ چنانچہ مرقس نے ان یاداشتوں کو تحریر کیا۔ ایک چیز جس پر اس نے خصوصی توجہ دی وہ یہ تھی کہ جو کچھ بھی سنا اس میں سے نہ تو کچھ چھوٹے اور نہ ہی کوئی غلط بات اس کی انجیل میں شامل ہو سکے[72]۔

پاپیاس کا بیان بالواسطہ یا بلاواسطہ انداز میں واضح ہے۔ حالانکہ پاپیاس کے مطابق پطرس انجیل کا مصنف نہیں تھا اور ایک انجیل کو اس کے ساتھ بعد کے ادوار میں منسوب کیا گیا تھا۔ مرقس کی انجیل کے مصنف کے بارے میں ابن بطریق نے ایک متضاد رائے دی ہے۔ اس کے مطابق بادشاہ نیر کے عہد (54ء تا 68ء) میں پطرس نے ایک انجیل لکھی تھی اور مرقس کے حوالے کر دی۔ پطرس نے روم میں مرقس کو ایک انجیل لکھوائی بھی تھی۔ بعد میں مرقس نے پطرس کا نام مٹا کر اس کی جگہ اپنا نام لکھ دیا[73]۔ یہ قطعی طور پر ایک غیر منطقی موقف ہے۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ نے نہ صرف انجیل کو مرقس سے منسوب کیا ہے بلکہ یہ بھی واضح کیا ہے کہ پطرس نے ایک انجیل لکھ کر مرقس کو دی تھی۔ یہ تصور لوگوں کی زبانی روایات پر بنا پر قائم کیا گیا ہے اور اس کو ثابت کرنے کے لیے کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے[74]۔ المسعودی اور ابن خلدون نے بھی یہ ذکر کیا ہے کہ انجیل کا ایک نسخہ پطرس نے یونانی زبان میں لکھا اور پھر وہ نسخہ مرقس کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد مرقس اسکندریہ کی طرف چلا گیا اور وہاں جا کر انجیل کی تبلیغ شروع کر دی[75]۔

تاہم امام ابن حزم رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ مرقس کی انجیل کا اصل مصدر انطاکیہ ہے[76]۔ یہ ایک تفرد ہے جو اس سے قبل پیش نہیں کیا گیا ہے اور اس کو صرف استدلال کی مدد سے ثابت کیا جا سکتا ہے۔ پطرس انطاکیہ میں رہا تھا اور روایات کے مطابق وہ انطاکیہ کا پہلا بشپ بن گیا[77]۔ اسی بنا پر امام ابن حزم رحمہ اللہ نے استدلال کرتے ہوئے مرقس کی انجیل کا مقامِ کتابت انطاکیہ[78] کو قرار دیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع سماوی کے 22 برس بعد مرقس کی انجیل لکھی گئی تھی[79]۔ دوسری جانب عبد اللہ ترجمان نے امام ابن حزم رحمہ اللہ سے اختلاف کرتے ہوئے مرقس کی انجیل کا سن کتابت 27ء بتایا ہے[80]۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ نے یہ وضاحت نہیں کی کہ انجیل کی کتابت ممکنہ طور پر اس اولین عہد کے ساتھ منسوب کرنے کی وجہ کیا ہے اور اس کے لیے ان کے پاس کون سی دلیل ہے۔ مسیحی علما کے ہاں یہ موقف بھی پایا جاتا ہے مرقس کی انجیل کا سنِ کتابت 66ء تا 70ء کے درمیان والا زمانہ ہے[81]۔ اس اعتبار سے مسیحی علما کا ایک طبقہ اس موقف کو بھی مسترد کر چکا ہے کہ یہ پطرس کے شاگرد مرقس کی تدوین ہے بلکہ ان کا خیال ہے کہ بعد کے ادوار میں مرقس نامی کسی اور شخص نے لوگوں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصے سن کر ان کو ترتیب دیتے ہوئے انجیل کی صورت میں پیش کر دیا تھا[82]۔

لوقا کی انجیل کی تاریخی حیثیت

امام ابن حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ لوقا انطاکیائی نژاد شامی طبیب تھا اور وہ پولس کے شاگردوں میں سے ایک، لیکن اس کے ساتھ ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کا حواری بھی تھا[83]۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ کا یہ بیان بالکل درست ہے۔ داخلی اور خارجی دلائل اس کی تائید کرتے ہیں۔ پولس نے لوقا کو "پیارے جراح" کہہ کر بلایا ہے[84] نیز اس تیسری انجیل اور رسولوں کے اعمال کا مواد بھی اس کے طبیب ہونے کے موید ہیں[85]۔ علمائے مسیحیت کا خیال ہے کہ لوقا کی انجیل میں موجود طبی مواد کے حوالے لوقا کی طبابت کے شواہد ہیں[86]۔ یہ ایک فلمی سا تصور ہے کہ انجیلِ لوقا کو اسی لوقا نے لکھا تھا اور بائبل کے تحقیقی مطالعات نے اس تصور کر مسترد کر دیا ہے۔ اس کا مواد ایسی تطبیقات اور تفصیلات سے معمور ہے جو واضح طور پر دوسری صدی کے نصف اول کی عکاس ہیں۔ انجیلِ لوقا کو لوقا کی طرف منسوب کرنے کی واحد وجہ یہی پیش کی جاتی ہے کہ وہ اسی انجیل کے واقعات کا ایک معمولی کردار تھا لیکن اس سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہوتا کہ وہ انجیلِ لوقا کا اصل کاتب ہے۔ یوسیبیس لکھتا ہے کہ: "لوقا پیدائشی طور پر انطاکیہ سے تعلق رکھتا تھا اور پیشہ ور طبیب تھا۔ وہ پولس کے ساتھ اچھے تعلقات میں رہا نیز دیگر حواریوں کے ساتھ بھی اس کے بہتر تعلقات استوار تھے۔ اس نے دو الہامی کتابوں کے ذریعے ان (پولس اور حواریوں) سے سیکھا ہوا روحوں کے علاج کا فن پیش کیا[87]۔" یہ فن انجیلِ لوقا کے یونانی زبان میں لکھے ہوئے مسودے کے مقدمے میں موجود ہے[88]۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ نے انجیلِ لوقا کے یونانی نسخے کا تذکرہ کیا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ انجیلِ لوقا کا مقامِ کتابت Achaea ہے[89] اور اس کی تائید بھی اسی یونانی نسخے کے مقدمے سے ہو جاتی ہے۔ تاہم یہ واضح نہیں ہو سکا کہ امام ابن حزم رحمہ اللہ نے خود اس متن کا مطالعہ کیا تھا یا اس کا عربی ترجمہ پڑھا تھا۔ دیگر علمائے مسیحیت اور مفسرین اناجیلِ اربعہ نے بھی Acheae کو ہی انجیلِ لوقا کا مقامِ تالیف قرار دیا ہے۔ ان میں جیروم[90] اور بارکلے[91] سرفہرست ہیں۔ چنانچہ لوقا کی انجیل کے مقامِ کتابت کے بارے میں امام ابن حزم رحمہ اللہ کا بیان اس امر کا شاہد ہے کہ ابتدائی کلیسا کے مطالعہ کے حوالے سے ان کی علمی بنیاد تحقیقی تھی۔ اگرچہ یونانی نسخے ان کی دسترس میں تھے، ممکن ہے انھوں نے مسیحی عقیدے کی بنیاد پر لکھا ہو کہ لوقا کو اس کی وفات کے بعد Acheae میں دفن کیا گیا تھا۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ نے انجیلِ لوقا کی کتابت کا دور بیان نہیں کیا ہے بلکہ وہ محض یہ کہنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ یہ انجیل عیسیٰ علیہ السلام کے رفعِ سماوی کے بائیس برس بعد، مرقس کی انجیل کے چند سال بعد لکھی گئی تھی[92]۔ عبداللہ الترجمان نے یہاں بھی ان کے ساتھ اختلاف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ لوقا کی انجیل حضرت عیسیٰ کی مصلوبیت تیس برس بعد لکھی گئی تھی[93]۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ کو یہ تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ رسولوں کے اعمال کا مصنف بھی لوقا ہی ہے حالانکہ اس کے نسخے کے ساتھ مصنف کا نام نہیں لکھا گیا تھا۔ چنانچہ وہ مسیحی روایت کے ساتھ اتفاق کرتے ہوئے لوقا کو اس کا مصنف قرار دیتے ہوئے ابن یوسف العامری (991ء) کے ساتھ اختلاف کرتے ہیں جن کے مطابق رسولوں کے اعمال اپوکریفائی ہیں۔ سینٹ پطرس نے غلطی سے ان کو بھی "مکتبِ انتخاب" میں شامل کر دیا تھا[94]۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ نے رسولوں کے اعمال کی تاریخ کتابت بھی بیان نہیں کی ہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ ابن حزم کے نزدیک انجیلِ لوقا کا مصنف کسی الہامی طاقت سے بہرہ ور نہیں تھا۔ وہ محض ایک فرد تھا جس نے عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح اپنے مطابق تحریر کی تھی[95]۔

یوحنا کی انجیل کی تاریخی حیثیت

امام ابن حزم رحمہ اللہ کا موقف ہے کہ چوتھی انجیل اور مکاشفہ، دونوں ایک ہی مصنف کی لکھی ہوئی دستاویزات ہیں۔ اس کا مصنف یوحنا بن زبدی ہے۔ اس انجیل پر امام ابن حزم رحمہ اللہ سخت تنقید کرتے ہیں کیونکہ ان کا خیال ہے کہ اس میں دیا گیا مواد انتہائی مبہم، گستاخانہ اور متناقص ہے۔ ان کا گمان ہے کہ یہ انجیل بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح ہے اور اس کو آپ علیہ السلام کے تقریباً ساٹھ برس بعد لکھا گیا تھا۔ انجیلِ یوحنا کے متن پر امام ابن حزم رحمہ اللہ کے علاوہ مختلف مکاتب فکر کی جانب سے بھی تنقید کی گئی ہے۔ امام ابن حزم رحمہ اللہ کے مطابق یوحنا نے اپنی زندگی کے آخری حصے میں اس انجیل کو ایشیا میں لکھا[96]۔ کچھ مسیحی علما یوحنا کو اس انجیل کا مصنف گردانتے ہیں۔ C.K Barrete کے مطابق یوسابیوس القیصري (Eusebius of Caesarea) نے ارینئس کا قول لکھا ہے کہ: "اور تمام بزرگ جو ایشیاء میں یوحنا کے ساتھ منسلک تھے، جو مسیح کا حواری تھا، گواہی دیتے ہیں کہ یہ انجیل یوحنا نے ان کو لکھوائی تھی۔ کیونکہ تراجن کے برسر اقتدار آنے تک ان کے ساتھ رہا"۔ ارینئس اس اقتباس کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ: "پولس نے ایفیسس کے کلیسا کی بنیاد رکھی تھی رومی بادشاہ تراجن کی حکومت تک یوحنا نے قیام کیا۔ اس کلیسا میں رسالتی روایات کے ایمان افروز شواہد موجود ہیں[97]"۔ ہاربنس لکھتا ہے کہ: "یوحنا نے ایشیائی نو مسیحیوں کی درخواست پر یونانی زبان میں ایک انجیل لکھی۔ پطرس اور پولس بھی افسیس میں اس کے پاس آئے اور اس کو لکھنے کی ترغیب دی۔ اس کتاب میں آٹھ معجزے، پانچ تمثیلات اور انجیل کے پندرہ احکام ہیں[98]"۔ دوسری جانب اس انجیل کے مصنف کے بارے میں ایک رائے یہ بھی ظاہر کی گئی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک شاگرد "جس سے یسوع محبت کرتا تھا (یوحنا، باب 21، فقرہ 24)" اس کتاب کا مصنف ہے[99]۔ اس شاگرد سے مراد یوحنا حواری لیا جاتا ہے[100]۔

نتائج

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار کی رائے کے برعکس عہد نامہ جدید سے متعلق امام ابن حزم رحمہ اللہ کی پیش کردہ معلومات حیران کن حد تک درست ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تحقیقی منہج کے مطابق کام کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے اور اس لیے انھوں نے مواد کو حاصل کر کے اس کو علمی انداز میں مرتب کیا۔ بطور مورخ وہ صحتِ مواد کا بھرپور لحاظ رکھتے ہیں۔ مسیحی صحائف کے حوالے سے اسناد کی بنیاد پر ہی وہ مواد کی صحت و ضعف کا اندازہ لگاتے ہوئے دلائل کو قبول یا مسترد کرتے ہیں۔ اس کا اظہار انھوں نے اناجیلِ اربعہ کے مصنفین، زبان، تاریخ تصنیف اور ان کے مقاماتِ کتابت کے بارے میں معلومات فراہم کرتے ہوئے کیا ہے۔ حالانکہ اناجیل اربعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد مختلف لوگوں نے مختلف علاقوں میں رہتے ہوئے دو زبانوں میں لکھی تھیں، پھر بھی امام ابن حزم رحمہ اللہ ان کی اسناد کی تلاش میں سرگرداں نظر آتے ہیں اور اس ضمن میں ان کا رویہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح اسلامی مصادر کے ساتھ ہے[101]۔ اس آخری نقطے سے مسلمانوں کا مسیحی اناجیل سے متعلق مجموعی رویے کا پتہ چلتا ہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ دستیاب معلومات سے پتہ چلتا ہے کہ موجودہ اناجیلِ اربعہ یونانی زبان میں لکھی گئی تھیں اور ان کے مصنفین نامعلوم ہیں۔ ان کے نام اناجیل کے ساتھ بعد میں لکھے گئے تھے۔ ان کتب موجودہ حالت تک پہنچنے کے لیے بار بار ترمیم سے گزرنا پڑا تھا۔ دیگر اناجیل میں بھی مستند معلومات ہو سکتی ہیں لیکن اب ان کا وجود عنقا ہو چکا ہے۔ ان میں توما کی انجیل، جس کی اصل زبان یونانی تھی اور کسی حد تک پطرس کی انجیل اور گم شدہ عبرانی انجیل ان میں

شامل ہیں۔ یہاں یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ چونکہ مسیحی حضرات حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی اصلی انجیل کی حفاظت نہیں کر سکے اس لیے مسیح کی طرف منسوب متعدد اناجیل منصہ شہود پر آ گئیں۔ ان کو میز پر رکھ کر ہلایا گیا اور چار اناجیل جو میز پر رہیں، ان کو اپنا لیا گیا اور باقی اناجیل کو مسترد کر دیا گیا۔ منتخب اناجیل کو زبردستی مذہبی اساس بنا کر تمام مسیحیوں کو ان کے مطابق عقائد کی تشکیل پر مجبور کیا گیا[102]۔ آخر میں Adam Clarke کا یہ قول نقل کرنا فائدے سے خالی نہیں ہو گا کہ: "یہ بات طے ہے کہ ابتدائی مسیحیت میں بہت سی اناجیل مقبول تھیں۔ ان میں کچھ اناجیل کے بعض حصے ابھی تک موجود ہیں۔ ان میں سے چند اناجیل کو جمع کر کے شائع بھی کیا گیا تھا جن میں سے کچھ اناجیل حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ تورات کی تعلیمات بھی پیش کرتی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی عہد کے مسیحیوں کی ہی مصنفات ہیں[103]"۔

کلارک کے اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ متی، مرقس، لوقا اور یوحنا کی اناجیل اور گلتیوں کے نام پولس کے خطوط کے علاوہ بھی ان کے عہد میں انجیل کے کئی نسخے موجود تھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پولس بھی ایک انجیل کو تبلیغ میں استعمال کرتا تھا۔ Lardner نے لکھا ہے کہ: "جس وقت آناستاسیوس نے قسطنطنیہ پر دوبارہ قبضہ کیا، اس نے یہ فرمان جاری کیا کہ مقدس اناجیل درست نہیں ہیں کیونکہ ان کے مصنفین نامعلوم ہیں۔ چنانچہ اس دوسرے مرحلے پر ان کی تصحیح کی گئی تھی[104]۔

ان شواہد کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ ابن حزم کے اصولِ تنقید میں تاریخی پہلو عین اس اسلوب اور معیار کے مطابق ہے جو دنیا میں مسلم اور مقبول ہے۔ نیز مسیحی علما کی آراء اور ان کے تبصرے ابن حزم کی تنقید کے لیے توثیق کا عمل سرانجام دے چکے ہیں اور انصاف کی میزان پر اس کو عین علمی و تحقیقی قرار دیا جا سکتا ہے۔

References

[1] R. Arnaldes, Ibn e Hazm, Encyclopedia of Islam, Brill, (1927), Vol 3, P. 795F
[2] Ibn e Hazm, Al-Fisal Fi Al-Milal Wal Ahwa e Wal- Nihal, Maktaba Al-Slam Al-Aalamiyah, Qairo, 1964, V 2, P. 2
[3] This introductory sentence is called “Testimonium Flavianum”
Paul Maier. The Church History, Kregel Publications, Michigan, U.S.A, (2007), P. 336–337
[4] Ibid, P. 336-337
[5] Schrecken berg, Jewish Traditions in Early Christian Literature, BRILL, (1992) .P. 38–41
[6] James Dunn, Jesus Remembered, William B Publishing Company, Cambridge, U.K. (2003), P. 141
[7] Craig A Evans, Jesus and His Contemporaries: Comparative Studies, Brill (2001), P. 316.
[8] Henry Wansbrough. Jesus and the oral Gospel tradition, Sheffield Academic Press , England, (2004) p. 185
[9] George Albert Wells, The Jesus Legend, Open Court Publishing Company, Chicago, (1996), P. 48
[10] Robert Van Voorst, Jesus in history, thought, and culture, ABC-CLIO, LLC publishing company, Santa Barbara, California. (2003), P. 509–511
[11] Feldman. Josephus, Judaism and Christianity. BRILL, (1987), P. 54, 57
[12] For details , See:
- Robert E. Van Voorst, Jesus Outside the New Testament, Wm. B. Eerdmans Publishing Company, Michigan, (2000),P. 83

- Bruce D. Chilton, James the Just and Christian Origins, Brill, (1999), P. 199-232
- John Painter, Just James: The Brother of Jesus in History and Tradition, Bloomsbury T&T Clark, Edinburgh, (2005) P. 134-141

[13]For the statement of Josephus and its authenticity, See:

- Robert Grant, A historical introduction to the New Testament, William Collins sons and Company Limited, London, (1974), P. 291
- X.L. Dufour, The Gospels and the Jesus of Histon, trans. and ed. by J. McHugh., Collins Sons and Co, London (1968), P. 35 f
- Georg-es Berguer, Sonte Aspects of the Life of Jesus, trans. by EleanorStimson Brooks and van Wyck Brooks, (London, Williams and Norgate, 1923), P. 65
- W. H. Allen, the Standard Jewish Encyclopedia, Cecil Roth B, London, (1966) P.1064

[14]Kitab ul Fisal, V 2, P. 20, 37, 40
Ibn e Hazm, Al-Usool Wal Furoo, Berute, (2001), Vol 1, P. 212
[15]Kitab ul Fisal. V 2, P. 200
[16]Timothy, 3/16, Pakistan Bible Society, Lahore9
[17]2 – Peter, 1/21
[18]For details, See:

- Burnett Streeter, The Washington Manuscript of the Gospels, Literary Licensing, United States (2011) P. 439
- J.N.D Kelly, Early Christian Doctrines,HarperOne, San Francisco, (1935), P. 59
- Merrill Tenney, The Zondervan Pictorial Encyclopedia of the Bible, Zondervan Publishing House, Michigan, United States, (1975) vol. 4, P. 311.

[19]Early Christian Doctrines, P. 61 f
[20]Raymond Brown, Critical Meaning of the Bible, Paulist Publications, New York, (1981), P.18–19
[21]David Pallin, "Revelation", (N.D.C.T.), P.505.
[22]JW Sweetman, Islam and Christian Theology, Whitefriars Press, London , (1955), vol. 1, P. 156
[23]Kitab ul Fisal, Vol 2, P. 32, 44, 47, 50, 60, 622
[24] Adolf Julicher, An Introduction to the New Testament, English translation by Janet Penrose Ward, snnith Elder and company, London, (1904), P. 317 and 30.
[25]See for details:

- Richardson, Preface to the Bible Study, Student Christian Movement Press, London, (1943), P. 23
- R. E. Brown,"Inspiration and Inerrancy" (J. B. C.), vol. 2, p. 503.

[26]William Barclay, The Gospels and Acts, S.C.M, London (1976) vol. l, P. 10
[27]The Gospels and Acts, P. 48
[28] Paul Althaus, The so-called Kerygma and the historical Jesus, Oliver and Boyd, Edinburgh, (1959) P. 21
[29]The Gospels and the Jesus of History, P. 21
Mackintosh, The Doctrine of the Person of Jesus Christ, T. & T. Clark, Edinburgh, (1927), P. 6 ff.
[30]Luke, 3/1
[31] Encyclopedia Britannica, (1958), Vol 3, P. 16017

[32] William Ralph Inge, Christian Ethics and Modern Problems, Kessinger Publishing, LLC, London, (1930), P. 43
[33]Kitab ul Fisal, V 3, P. 322
[34]Ibid
[35] Saint John Chrysostom, Homilies on the Gospel of John , New City Press, U.S.A (2001), Part l, P.4
[36]See
Usool Wal Furoo, V1, P. 212
Al-Jaahiz, Salaas u Rasaail, Matbaa Salafiyah, Qairo, (1344), P. 24

4 •

[37] Abu al-hassan Ali bin Hussain Masoodi, Murawwaj al-Zahab wa Meaadin ul Johar, Matbaa Al-Sadaat, Qairo, (1963), Vol 3, P. 62
[38] M. R. James (trans.), The apocryphal New testament, Oxford University Press, (1924), P. 13 f.
[39] Ali bin Riban Al-Tabri, Al-Deen Wa al-Daulah, Dar ul Aafaq Al-Jadeed, Berut, (1983), P. 202
[40] ابن الندیم "الفہرست" میں لکھتے ہیں کہ "یہودیوں اور عیسائیوں کے عالم یونس سے میں نے پوچھا تو اس نے مجھے دو مجموعے بتائے جو "السورة العاتقہ" اور "السورة الحادثہ" یعنی عہد نامہ قدیم اور عہد نامہ جدید ہیں۔
Ibn e Nadeem, Al-Fehrist, Dar ul marifat, Berut, P. 41
[41]Kitab ul Fisal, V 2, P. 20
[42]Al-Fehristm P. 41
[43]D. Paterson Smyth, Our Bible in the Making, Marston and Company, Ltd, UK, (1914), P. 169
[44] B.R Rattey, Growth and Structure of the Gospels, Oxford University Press, London, (1948), P. 9
[45]Homilies on the Gospel of John , Part 1, P. 4.
[46]Kitab ul Fisal, V 2, P. 20 0
[47] مسیحی محققین کا گمان ہے کہ عمومی طور پر حواریوں کو کیتھولک حواری ہی مانا جاتا تھا۔ دیکھیے:
E. Ratcliffe, The Birth of Christianity in the Light of To-day, Allenson and Company, London (1936), P. 101
[48] ابن خلدون نے "کیتا لیکون" لفظ استعمال کیا ہے۔ دیکھیے:
Abdul Rehman Ibn e Khuldoon, Al-Muqaddimah, Dar ul Arab, Damuscus, (2004), Vol 2, P. 296
Ahmed Bin Ali Muqrizi, Kitab ul Mawaiz, Muassisa tul Furqan Li Turaas al-Islami, London, (2004), Vol 2, P. 48
[49] کتاب الفصل، ج 1، ص 22
[50]Carra De Vaux, "Injil", The Encyclopedia of Islam, vol. 3, p. 1205
[51]Kitab ul Fisal, Vol 2, P. 20
[52]Al-Muqaddimah, Vol 2, P. 299
Ibn e Tamiyah, Al-Jawab ul Saheeh, Dar ul Aasimah, Riyadh, (1999), Vol 3, P. 211
[53]Islam and Christian Theology, vol. l, p. 22.
[54]The Gospels and Acts, vol. I, p. 149
[55] Alfred Plummer, An Exegetical Commentary on the Gospel According to St. Matthew, Eerdmans Publishing Company, U.S.A (1956), p. V Ill.
[56] Leon-Dufour, The Gospels and the Jesus of History, P. 109
[57]Willoughby C. Allen, "Matthew (Gospel)" (D.C.G.), vol. 2, p. 141.

[58]The Gospels and the Jesus of History, P.110.
[59]Hamari Kutub e Muqaddisah, P. 451
[60]Walter Frederic Adeney, The Expositor's Bible, Zondervan, U.S.A, (1981) P. 286.
[61]See:
Kitab ul Fisal, Vol 2, P. 20
Al-Jawab ul Saheeh, V 3. P. 5
[62] Kitab ul Mawaiz, Vol 2, P. 482
[63]For details, See:
Al-Jawab ul Saheeh, Vol 3, P. 5
Kitab ul Mawaiz, Vol2, P. 483
[64]Kitab ul Fisal, Vol 2, P. 20
[65]Al-Jawab ul Saheeh, Vol 3, P. 5
An Exegetical commentary on the Gospel according to St. Mathew, P. 8
[66]See:

- T.K. Cheyne & J. Sutherland, Encyclopedia Biblica, Adam and Charles Blackmomi, London, vol. 2, P. 1890;
- J. E. L.Oulton, Eusebius Ecclesiastical History, William Heinemann Ltd. London, (1980), vol. l, P. 251, 295;
- H. S. Shelton, "The Gospels and the New Papyri","Hibbert Journal" (January,1945), P. 161.

[67]G. T Menly, Hamari Kutub e Muqaddasa, Maseehi Ishaat Khana, Lahore, (2017), P. 451
[68]See:

- Duling Dennis. The Gospel of Matthew, Wiley-Blackwell, (2010). P. 298–99;
- R. T. France, The Gospel of Matthew, Eerdmans; New International Commentary on the New Testament edition, (2007), P. 19

[69]See:
Delbert Burkett, An introduction to the New Testament and the origins of Christianity. Cambridge University Press, (2002) P. 174
[70]Kitab ul Fisal, V 2, P. 2
[71] J. C. Fenton, Saint Matthew, Cox and Wyman, London (1976), P. 12.
[72]Hamari Kutub e Muqaddisa, P. 459
[73]Al-Jawab ul Saheeh, V 3, P. 51
[74]Kitab ul Fisal, V 2, P. 20
[75]Al-Masudi, Al-Tanbeeh Wal Ashraf, Maktaba Khiyaat, Berut, (1965), P. 137
[76]Kitab ul Fisal, V 2, P. 20
[77]D. E. Nineham, Saint Mark, Pen-guin Books, Cox and Wyman, London, (1976), P. 42
Brown,"The Gospel According to St. Mctrk" (J. B. C.), vol. 2, p. 21.251
[78]مسیحی مصنفین نے بھی اس کے مقامِ کتابت میں اختلاف کیا ہے۔ان کے ہاں روم، گلیل، انطاکیہ (سلطنت روما کا تیسرا بڑا شہر)، جنوبی شام وغیرہ کا ذکر موجود ہے۔ دیکھیے
Delbert Burkett, An introduction to the New Testament and the origins of Christianity. Cambridge University Press, (2002), 157
[79]Kitab ul Fisal, V 2, P. 20
[80]Abu Abdullah bin Abdullah Al-Tarjuman, Tuhfat ul Areeb Fi Al-Radd ala ahl Saleeb, Dar al-Maarif, Qairo, (1983), P. 16

[81]Pheme Perkins, The Synoptic Gospels and the Acts of the Apostles, Westminster John Knox Press, U.S.A, (1998), P. 241–58.
[82] An introduction to the New Testament and the origins of Christianity, P. 156
Sanders, The Historical Figure of Jesus. Penguin, UK, (1995), P. 63–64
[83]Kitab ul Fisal, V 2, P. 20
Ibn e Khuldoon, Al-Ibar, bait ul Afkaar Al-Dauliyah, Riyadh, P. 294
Salas Al-Risail, P. 24
[84]Colossians, 4/14
[85]A. Plunmet, A Critical and Exegetical Commentary on the Gospel According to St. Luke, T. & T. Clark, Edinburgh, (1942), P. XI
[86]See:
- A.R.C. Leaney, The Gospel according to St. Luke, Adam and Charles Black, London, (1966), P. 4
- Caird,Saint Luke, Penguin Books, Cox and Wyman, London,(1977), P. 17

[87]The Gospels and Acts , vol. I, P. 187
[88]The Gospel according to St. Luke, P. I
[89]Kitab ul Fisal, V 2, P. 20
[90]See:
- Islam and Christian Theology, vol. I, P. 124.
- The Gospels and Acts , vol. I, P. 194

[92]Kitab ul Fisla, V 2 , P. 20
[93]Tuhfat ul Areeb, P. 16
[94]Muhammad bin Yosuf Al-Aamri, Kitab ul Aalaam Bi Munaaqib ul Islam,Dar ul Kutub ul Arabi, Qairo, (1967), P. 205
[95]Kitab ul Fisal, Vol 2, P. 62
[96] Kitab ul Fisal, V2, P. 20
[97]C. K Barrett, New Testament Background, S.P.C.K. (1957), P. 83.
[98]Ibid, P. 136
[99]An introduction to the New Testament and the origins of Christianity, P. 214
[100]Hamari Kkutub e Muqaddisa, P. 473
[101] Montgomery Watt, The Majesty that was Islam, Praeger Publishers, New York, Washington, (1974), P. 82
[102]Elaine Pagels, the Gnostic Gospels, Penguin Books, England (1990) P. 15
[103]Rehmatullah Keranwi, Izhar ul Haq, Taha Publishers, London, (1990), V3, P. 145
[104]Ibid, P. 150